کیازور زبردستی اسلام قبول کروایاجاسکتاہے؟

قاضی محمد فیاض عالم قاسمی اشاعت 24 جون، 2021

دین اسلام ایک آسمانی مذہب ہے، جو آفاقی اور عالمگیر بھی ہے، یعنی یہ دین کسی ایک خطہ یا علاقہ کے لیے نہیں ہے، اور نہ ہی کسی خاص قوم کے لیے ہے؛ بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ذریعہ ہدایت اور ذریعہ نجات ہے۔ اس کا ذکر خود اللہ رب العزت نے قرآن کریم کے شروع میں سورہ بقرہ کی دوسری آیت میں کیاہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کسی بھی طرح کا شک کرنے کی گنجائش نہیں، اور یہ کتاب پرہیزگاروں کے لیے سراپا ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہیں۔ البتہ یہ انسان پر ہے کہ وہ اس کو کس زاویہ سے دیکھتاہے، اگر کوئی تعصب کا عینک اتار کر دیکھے گا اور پڑھے گا تو اسے انسانی طبیعت، انسانی تقاضے، اور عقل عام کے موافق پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی صدق دل سے اس کا مطالعہ کیاہے، ہدایت ملی ہے اور جس کو ہدایت مل گئی وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گیا، خواہ دنیا میں چند دنوں کے لیے آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے، لیکن بالآخر سرخروئی نصیب ہوئی۔ ایک بار جس کو قرآن کریم کی تلاوت، قرآن کی تفسیر کا چسکا لگ گیا تو پھر دنیا بھر کی آزمائشیں اس کے لیے ہیچ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا مذہب، اور حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی مان لیا تو اس کو ایمان کا مزہ مل گیا۔ (صحیح مسلم: ٣٤) پھر اس پر کسی بھی طرح کی آزمائش آئے، مصیبت آئے، گھر والے دھتکار دیں، اس کے ساتھ سماجی بائکاٹ کیا جائے، حتیٰ کہ اس کے ساتھ گالم گلوچ اور مارپیٹ کی جائے، ہڈی پسلی توڑدی جائے، پھانسی کے پھندوں پر چڑھادیا جائے، آگ میں جلادیا جائے لیکن ایمان کا مزہ مل جانے کے بعد بندہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی ایسے واقعات پیش آئے، حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عمار بن یاسر، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ وغیرہم کے واقعات سے اسلامی تاریخ مزین ہیں۔ انھوں نے اپنی جان گنوانا پسند کیا، لیکن اسلام سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارہ نہیں کیا۔ ایسے واقعات آپ ﷺ کے بعد بھی پیش آئے اور آج بھی پیش آرہے ہیں، "میں نے اسلام کیوں قبول کیا" (از: پروفیسر خالد علی حامدی) "نسیم ہدایت کے جھونکے" (از: مولانا کلیم صدیقی) اور اس طرح کی بعض دیگر کتابیں نومسلموں کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتاہے کہ ایمان قبول کرلینے کے بعد خواہ کتنی ہی بڑی آزمائش آجائے بندہ پیچھے نہیں ہٹتاہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب بندہ دل سے اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرے، کسی قسم کا لالچ، دباؤ، بہکاؤ،

ڈر، خوف یا کسی اور وجہ سے اسلام قبول نہ کرے، کیوں کہ ایسا اسلام اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ پس اگر کوئی اپنے دل کی آواز کے خلاف یعنی صرف زبانی اسلام قبول کرتا ہے تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ کے یہاں اسی اسلام کا اعتبار ہے جو پکے سچے دل سے ہو۔ قرآن کریم نے صرف زبانی اسلام قبول کرنے والوں کو سورہ منافقون میں جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ ان لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کرکے اپنے ایمان کو بہت سارے خرافات کرنے کے لیے ڈھال بنایا ہوا ہے کہ لوگ انھیں مسلمان سمجھیں، اور ان کے ساتھ مسلمان والا رویہ اختیار کریں، اور وہ چوری چھپے مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچیں۔ (سورۃ المنافقون: ۱-۲)

سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دیہاتیوں کا ذکر کیا جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا تھا اور اسی کا وہ لوگ ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے، گویا کہ انھوں نے اسلام قبول کرکے مسلمانوں پر احسان کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پول کھول دی کہ یہ لوگ در حقیقت مؤمن نہیں ہیں۔ کیوں کہ ایمان ان کے دل میں نہیں اترا ہے، صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ (سورۃ حجرات: ١٤)

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا اصل تعلق دل سے ہے، اعمال اور اعضاء سے نہیں، ایمان اور جس چیز کا تعلق دل سے ہو اس میں زور زبر ستی نہیں ہو سکتی ہے۔ جیسے کوئی کسی سے زور وز بردستی محبت نہیں کروا سکتا ہے، اور نہ ہی زور زبردستی کسی کی محبت دل سے نکالی جا سکتی ہے۔ چاہے آپ کسی سے اس کے دل کی آواز کے خلاف زبان سے کچھ کہلوالیں، لیکن دل میں وہی رہے گا جو اس کو صحیح لگتا ہے اور جس کو وہ درست سمجھتا ہے۔ اس کا دل اسی طرف مائل رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورۃ البقرۃ: 256) یعنی دین اسلام کو قبول کرنے نہ کرنے میں زور زبردستی کو کوئی دخل نہیں ہے؛ کیوں کہ حق اور گمراہی واضح ہو چکی ہے، پس جس کا دل حق کی گواہی دے وہ اسلام قبول کرلے اور جس کا دل انکار کرے وہ قبول نہ کرے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ دین اسلام کو قبول کرنے میں جبر واکراہ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ جبر واکراہ اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں آدمی سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی عمل کروایا جائے، اور ایسا کرنا کسی عمل اور حرکات وسکنات میں تو ممکن ہے، لیکن دل میں ممکن نہیں ہے، اور ایمان کا محل دل ہے، پس زور زبردستی ایمان قبول نہیں کروایا جاسکتا ہے۔

حضرت قاضی صاحب نے اس آیت کا دوسرا معنیٰ اور مطلب بھی بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے نہ کرنے میں کسی کے ساتھ زور زبردستی نہ کی جائے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں اسلام قبول کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ اللہ کے نزدیک ایسا ایمان ناقابل قبول ہے۔(تفسیر مظہری: ۳۶۲/۱)

اس آیت کے تحت مشہور فقیہ و مفسر قرآن حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ شان نزول کے ساتھ لکھتے ہیں: ''انصار میں جن خواتین کو اولاد نہ ہوتی یا ہوتی مگر زندہ نہ رہتی، وہ نذر مانتیں کہ اگر ان کو اولاد ہوئی اور زندہ رہی تو وہ ان کو یہودی بنادیں گی؛ چنانچہ ایسے متعدد لڑکے یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے ساتھ تھے، جب بنو نضیر جلاوطن کئے گئے تو انصار نے کہا کہ اپنی اولاد کو جانے نہ دیں گے اور جبراً ان کو مسلمان کرنے کے درپے ہوئے، اس موقع سے یہ آیت نازل ہوئی، (أبوداؤد، باب في الأسیر یکرہ علی الإسلام، حدیث نمبر: ۲۶۸۲) اس سے اسلام کا ایک اہم اُصول معلوم ہوا کہ کسی کو مجبور کرکے اس کا مذہب تبدیل کرانا درست نہیں؛ کیوں کہ مذہب کا تعلق دل کے اعتقاد و یقین سے ہے، جبر کے ذریعہ زبان سے تو اقرار کرایا جاسکتا ہے، دل کی دنیا نہیں بدلی جاسکتی، اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، محض پروپیگنڈہ ہے، اسلام جب دنیا میں آیا تو ایک ہی شخص تھا، جو مسلمان تھا، وہی اسلام کا داعی اور خدا کا پیغمبر تھا، مکہ کا چپہ چپہ اس کا مخالف تھا، پھر تیرہ سال تک مسلمان ان چند کمزور، نہتے اور مظلوم لوگوں کا مذہب تھا، جن پر کوئی ظلم و ستم نہیں تھا جو روانہ رکھا گیا ہو، اُس وقت اسلام کے پاس نہ تلوار تھی، نہ فوج، نہ سپاہ، آخر کونسی طاقت تھی جس کے ذریعہ اسلام نے چند ہی سال میں پورے جزیرۂ عرب کو مسخر کرلیا؟ یہ یقیناً اس کی عدل و انصاف پر مبنی، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور عقل و دانش سے مطابقت رکھنے والی تعلیمات تھیں نہ کہ تلوار"! (آسان تفسیر قرآن)۔ خلاصہ یہ کہ زور زبردستی کسی کا مذہب تبدیل کرایا نہیں جاسکتا ہے، یہ ناممکن ہے، پس مسلمانوں پر یہ الزام لگانا کہ وہ زور زبردستی اسلام قبول کرواتے ہیں، نامعقول بات ہے۔

اسلام میں قرآن کریم کے بعد جس کتاب کا سب سے زیادہ مرتبہ ہے وہ ہے صحیح بخاری، اس کی پہلی حدیث میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور پھر اسی میں اسلام کے اہم اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں پر مکہ کی زمین تنگ کردی گئی، ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، رشتہ ناطہ توڑ دیا گیا، سماجی بائیکاٹ کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے ہجرت کرجائیں، چنانچہ بہت سارے مسلمان ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے، پھر حکم ہوا کہ مدینہ منورہ ہجرت کرجائیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ خود اور بہت سارے صحابہ کرام ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے۔ مکہ کے ایک صاحب ایک خاتون سے شادی کرنا چاہتے تھے، اتفاق سے وہ خاتون بھی ہجرت

کر کے مدینہ چلی گئیں، جب اِن صاحب کو معلوم ہوا تو یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تاکہ وہیں اس صحابیہ سے شادی کرلیں، ان کے آتے ہی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے، اور انسان جس چیز کی نیت کرتا ہے اس کو وہی ملتا ہے، جو آدمی دنیا کے لیے ہجرت کرے، یا کسی عورت کے لیے ہجرت کرے کہ اس سے نکاح کرلے، تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی، گویا اس کی ہجرت اسلام کی حفاظت اور اللہ کی رضا کی خاطر نہیں ہوگی، اس کی ہجرت اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔(صحیح بخاری: حدیث نمبر: ۱)

اس حدیث سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ جب تک دل کو اللہ کی طرف متوجہ نہ کیا جائے، اور کوئی بھی عمل خواہ کتنا ہی بڑا ہو، دل سے اللہ کے لیے نہ کیا جائے وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

اسلام جو ایک دین اور ایک مذہب ہے۔اس کو اگر کسی دوسرے مقصد کے لیے اپنایا جائے تو وہ کیسے قابل قبول ہو جائے گا؟

جب ایسا اسلام قابل قبول نہیں تو مسلمانوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنا مال و دولت، قیمتی سرمایہ، اور وقت حتیٰ کہ جان کو داؤ پر لگا کر کسی کا اسلام قبول کروائے؟

البتہ وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ، اپنے دین و مذہب کے بارے میں لوگوں کو بتانا نہ صرف ایک دینی اور شرعی فریضہ ہے، بلکہ ہمارے ملک (ہندوستان) کے دستور کی دفعہ نمبر ۲۵ بھی اس کی اجازت دیتی ہے۔واضح رہے کہ تبلیغ کرنے اور کسی کو زورزبردستی اسلام قبول کروانے میں کافی فرق ہے۔ دعوت وارشاد جائز اور مطلوب ہے؛ لیکن جبر و اکراہ کرنا ناجائز ہے، نہ مطلوب ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ، نیز قانونی طور پر بھی ممنوع ہے۔

مزید پڑھیں https://wp.me/p7zTiB-eIs ⇦